امام فخر الدّین رازیؒ کی ایک نادر تصنیف

○ ═══════ محمّد صغیر حسن معصومی

ابو عبداللہ نیز ابو الفضل محمد بن عمر الرازی (المتوفی ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) جو امام رازی و فخر رازی جیسے القاب سے مشہور ہیں تاریخ اسلام میں ایک بڑی شخصیت کے مالک ہیں، بلکہ امام غزالیؒ کے بعد "حجۃ الاسلام" کہلانے کے صحیح حق دار سمجھے جاتے ہیں۔ یہ اپنے زمانہ میں فلسفہ، کلام، تاریخ، تفسیر، حساب، طبیعیات اور کیمیا و نجوم میں یگانۂ عصر تھے۔ ابھی تک مستشرقین یا علمائے اسلام نے کماحقہ ان کے مؤلفات کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ ان کی سب سے مشہور تالیف تفسیر کبیر علماء میں متداول ہے، اور اب بھی حلقۂ تدریس میں ان کی شرح اشارات اور محصل کا نام لیا جاتا ہے۔ گو اب بہت کم لوگ ایسے رہ گئے ہیں جو ان کتابوں کے مطالعہ کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ محصل کا پورا نام "محصل افکار المتقدمین والمتاخرین" ہے جو درحقیقت فلسفہ و کلام کا نچوڑ ہے۔

امام رازی اپنی خطابت، وعظ و علمی وقار کی بدولت شیخ الاسلام جیسے لقب سے ممتاز ہوئے۔ بڑے بڑے علماء، صوفیاء، قضاۃ، امراء اور شاہان وقت ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنا فخر سمجھتے تھے۔

اشعری العقیدہ شافعی مسلک کے ایک علمی خاندان میں رے میں ۲۵ رمضان ۵۴۳ - ۵۴۴ھ/۱۱۴۹-۵۰ء میں پیدا ہوئے[1]۔ اپنے والد ماجد ضیاء الدین عمر مشہور بخطیب رے سے ابتدائی تعلیم پائی۔ یہی وجہ ہے کہ "ابن خطیب الرے" کے لقب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔ والد کے انتقال کے بعد ایک مدّت تک کمال سمنانی (یا ولیے سمعانی) سے علم حاصل کرتے رہے اور پھر المجد الجیلی سے فلسفہ و کلام ایک زمانے تک پڑھتے رہے، کہا جاتا ہے کہ امام الحرمین کی الشامل فی اصول الدین کے پورے حافظ تھے اور فقہ و اصول میں ان کے اساتذہ کا سلسلہ امام شافعی پر اور کلام و عقائد میں امام ابو الحسن اشعری پر منتہی ہوتا ہے۔

فلسفہ، کلام اور علوم اسلامیہ کی تحصیل کے بعد امام رازی نے بخارا، خوارزم اور ماوراء النہر کا سفر کیا، ان مقامات کے علماء سے علمی مناظروں اور بحثوں میں اپنی قوت حافظہ، زورِ خطابت اور زورِ بیان کا لوہا منوایا، مگر عافیت اسی میں دیکھی کہ ان مقامات سے خاموشی کے ساتھ گزر جائیں۔

امام رازی کا ابتدائی زمانہ نہایت عسرت و تنگدستی میں گزرا تھا یہاں تک کہ حسب بیان القفطی[2] بخارا کے ایک مدرسہ کے قیام کے زمانے میں بیمار پڑے تو ان کی زبوں حالی دیکھ کر ان کے دوستوں نے اپنے تاجر دوستوں سے زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے ان کی پریشان حالی دُور کی۔

حسب بیان ابن خلکان[3] خوارزم سے امام رازی رے واپس آئے اور ایک بڑے مال دار طبیب کے ساتھ قیام کیا۔ کہتے ہیں کہ اس طبیب کی دو بیٹیوں سے امام نے اپنے دو بیٹوں کی شادی کر دی۔ طبیب بستر مرگ پر تھا۔ شادی کے بعد ہی قضا کر گیا اور ساری دولت امام کے تصرف میں آئی۔ بظاہر اس واقعہ کی صداقت موہوم ہے، اس لئے کہ اگر تعلیم کے بعد رے کی واپسی کا ذکر ہے تو اس وقت تک خود امام کی شادی اور خاندان کا پتہ نہیں لگتا، اور اگر رے کی اس واپسی سے شہر ہرات میں بلوے کے بعد رے آنا سمجھا جائے، تو اس وقت امام صاحب کی دولت کی فراوانی کا حال سب کو معلوم ہے اور طبیب کی دولت سے ان کی دولت میں اضافہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، پھر خود ان کے لڑکے اس قابل ہو چکے تھے کہ اپنی مرضی سے اس دولت کو تصرف میں لاتے، اس لئے امام لڑکوں کی دولت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ بنابریں القفطی کا بیان قرین قیاس ہے کہ بخارا سے امام نے خراسان کا سفر کیا، جہاں وہ خوارزم شاہ محمد بن تکش سے وابستہ ہوئے۔ اس شاہ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور بڑے اعزاز کے ساتھ انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

امام رازی کی دولت کی فراوانی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ خراسان سے جب ہرات و غزنی کا قصد کیا تو ان سے دوستانہ تعلقات کی بنا پر سلطان شہاب الدین غوری نے اپنی کسی مہم کے لئے روپے کی ضرورت کا اظہار کیا[4] امام نے اپنی ساری دولت ان کے آگے لا کر رکھ دی۔ سلطان نے اپنے غزنی کے قیام میں بڑے شکریہ کے ساتھ یہ رقم مع مزید انعام و کرام کے امام کے حوالے کر دی۔ اسی طرح دوسرے حکمرانوں کی مدد بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہ ایسی مثال ہے جس کی نظیر تاریخ اقوام عالم میں مشکل سے ملتی ہے۔

کرّامیہ، باطنیہ اور حنابلہ کے ساتھ ان کے مناظرے نے بڑی شدت اختیار کی، یہاں تک کہ ان کے فتنے سے مجبور ہو کر امام صاحب کو ہرات چھوڑنا پڑا۔ حاکمِ شہر کو فوج کی مدد سے امن و امان قائم کرنا پڑا۔ جب

امام صاحب رےّ پہنچے تو ان کے وعظ و علمی مجلسوں سے ان کے اعزاز میں چار چاند لگ گئے۔ اب تک "ابن الخطیب" کے نام سے شہرت رکھتے تھے، مگر رےّ کی مجلسوں کے بعد "خطیب رےّ" کے لقب سے چار دانگ عالم میں مشہور ہوئے۔

ہرات سے کرّامیہ کے استیصال کے بعد سلطان خوارزم شاہ نے پھر ان کو ہرات بلوایا اور بڑے تزک واحتشام کے ساتھ امام صاحب کا استقبال کیا۔ امام صاحب بڑی شان و شوکت سے شیخ الاسلام کے لقب کے ساتھ ہرات میں جلوہ افروز ہوئے۔ ایسی شان و شوکت کسی دوسرے شیخ الاسلام کو کبھی نہ میسّر ہوئی۔ حاکمِ شہر حسین کارمل اعیان شہر کے ساتھ امام صاحب کو استقبال کر کے ایک بڑے جلوس میں ایوان شاہی تک لائے۔ اوّلین روز امام صاحب نے جامع مسجد میں درس دیا، ایک خاص منبر ان کے لئے رکھا گیا۔ ان کے ترکی غلام اپنی کمر سے تلواریں لگائے دو رویا کھڑے تھے۔ دائیں بائیں اعیان و امراء شہر اپنی نشستوں پر جاگزیں تھے، ایک بڑا جم غفیر خاموشی کے ساتھ جمع تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے بھتیجے سلطان محمود مجلس میں امام صاحب کے قریب ہی رونق افروز تھے۔ اب امام صاحب نے اپنی تقریر شروع کی، لوگ ہمہ تن گوش برآواز تھے۔ اسی طرح خوارزم شاہ میں ایک بڑے مجمع میں جب وعظ فرما رہے تھے تو اثناء وعظ میں ایک کبوتری کسی شکاری پرندے سے بچتی ہوئی سیدھی امام صاحب کی گود میں آ گری۔ مجمع دیکھ کر شکاری پرندہ کسی طرف نکل گیا، ان کے شاگرد ابن عنین (محمد بن نصر اللہ بن الحسین بن عنین الدمشقی المتوفی ۶۳۰ھ) نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا:۔

جاءت سلیمان الزمان حمامة　　والموت یلمع من جناحی خاطف

من نبأ الورقاء ان محلکم　　حرم وانك ملجأ للخائف

"سلیمان زمانہ کے پاس کبوتری آئی بحالیکہ موت ایک اچکنے والے کے بازوؤں سے چمک رہی تھی۔ اس چڑیا کو کس نے خبر کر دی کہ آپ کا محل حرم ہے اور آپ خوفزدہ کے لئے ملجا و ماوی ہیں۔"

یہ حقیقت ہے کہ امام کے جاہ و منصب اور علمی برتری نے بہتوں کو دشمن بنا لیا۔ مؤرخین نے طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں، اور عجیب عجیب الزامات ان پر لگائے گئے ہیں۔ ان کے معاصر ابو شامہ دمشقی نے یہاں تک لکھا ہے کہ نعوذ باللہ، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی گستاخی سے باز نہ آتے تھے۔ چنانچہ اپنی تقریروں میں کہتے "قال محمد التازی ویقول محمد الرازی" (محمد عربیؐ

نے فرمایا اور اب محمّد رازی کہتا ہے)۔ مگر ان کی تصنیفات ایسی یاوہ گوئی سے بالکل پاک ومبّرا ہیں۔ خود یہ نادر تصنیف جس کا تعارف اس وقت مقصود ہے اس بات کی شہادت پیش کرتی ہے کہ جب بھی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے لکھتے ہیں:۔ "قال صاحب الشریعۃ" یا "قال صاحب الشرع" یا "قال علیہ السلام"

اسی طرح امام ابن تیمیہ جو برابر اپنے رسائل میں امام رازی کے اقوال و تفسیر کی دھجیاں اڑاتے میں دریغ نہیں کرتے، بطور حجت بیان کرتے ہیں کہ خود امام رازی نے اعتراف کیا ہے کہ عقلیات میں میں نے فضول وقت ضائع کیا اور طرق کلامیہ میں مفت وقت گنوایا، حقیقی علوم قرآن پاک میں ہیں اور ان کے سمجھنے میں حقیقی علم مضمر ہے۔

یہی علامہ ابن تیمیہ ہیں جو امام رازی کی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"فیہ کل شئی الا التفسیر" "ان کی تفسیر میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے"۔ اس سخت ناقدانہ کلمے کو سُن کر سنجیدہ اور حق پسند و منصف مزاج علماء سے نہ رہا گیا اور قاضی القضاۃ ابو الحسن علی السبکی نے فرمایا: "ما الامر کذا انما فیہ مع التفسیر کل شئی"۔ "نہیں بات ایسی نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام رازی کی تفسیر میں تفسیر کے ساتھ سب کچھ ہے"۔ ؎

شیخ صلاح الدین الصفدی کا بیان ہے کہ میں نے امام رازی کی محصّل کی پشت پر دیکھا کہ کسی اہل علم دوست نے بطور نقد و تبصرہ یہ دو شعر لکھ دیئے تھے:۔

محصّل فی اصول الدین حاصلہ — من بعد تحصیلہ اصلٌ بلا دین
بحر الضلالات والشک المبین وما — فیہ فاکثرہ وحی الشیاطین

"محصّل اصول دین میں ہے جس کا حاصل اس کے پڑھنے کے بعد اصل بغیر دین کے ہے، گمراہیوں کا بحر اور واضح شکوک سے پُر ہے اور اس میں جو کچھ ہے شیطانوں کی وحی ہے"۔

میں نے برجستہ ان دونوں شعروں کے نیچے لکھا:۔

عمیت عن فہم ما ضمّنت مسائلہ — ونورھا قد تجلی بالبراھین
فملت عجزا الی التقلید وھو متی — حققت لم تلق امرا غیر مظنون
والناس اعداء ما لم یعرفوہ فلا — یدع اذا قلت ذا وحی الشیاطین

"محصّل جن مسائل پر مشتمل ہے تم ان کے سمجھنے سے قاصر رہے حالانکہ ان مسائل کی روشنی براہین سے چمک اٹھی ہے، عاجز آکر تم تقلید کی طرف جھکے جب تم تحقیق کرو تو کوئی بات غیر ظنی نہیں رہتی۔ لوگ ایسی باتوں کے دشمن ہیں جن کو وہ نہیں جانتے، اس لئے کوئی نئی بات نہیں کہ تم کہتے ہو کہ یہ شیاطین کی وحی ہے۔"

امام رازی کے حین حیات جو بھی الزامات تراشے گئے ان سب کے جواب میں خود ان کی وصیت کافی ہے، اپنی موت سے پیشتر انھوں نے اپنی وصیت لکھوائی جس میں انھوں نے اپنے کو سارے بہتانوں سے بری کیا اور آخر میں اعلان کرتے ہیں :۔

"وان دینی الاسلام ومتابعة محمّد وصحبه وآله وعلیه وعلیهم السلام وان دأبي هو القرآن العظیم واما می السنة وعلیهما المعوّل"۔ "بے شک میرا دین اسلام ہے اور حضرت محمدؐ ان کے اصحاب اور آل کی متابعت ہے، اور ان پر اور ان سب لوگوں پر سلام ہو اور بے شک میرا طریقہ قرآن عظیم ہے اور میرا امام و مقتدا سنت ہے اور انہیں دونوں پر میرا بھروسہ ہے۔"

امام رازی علوم ظاہری کے ساتھ علم باطن و تصوف میں بھی یگانۂ روزگار تھے اور شیخ نجم الدّین الکبری سے فیض باطنی حاصل کیا تھا، امام رازی اپنے علوم میں منفرد تھے۔

ان کی تصنیفات کی تعداد اچھی خاصی ہے ابن الساعی کے بیان کے مطابق مجموعی تعداد دو سو سے بالا ہے[9]۔ اکثر کتابیں خود ان کی حیات میں لوگوں میں مقبول ہوئیں اور لوگ شوق سے ان کا مطالعہ کرنے لگے، ابن ابی اصیبعہ نے اپنی طبقات میں اڑسٹھ کتابوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی کتاب "اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین" کی تحقیق کرنے والے نے چھوٹی بڑی ترانوے مؤلفات گنوائی ہیں، ان کی بہت سی تصنیفات مختلف حکمرانوں اور بادشاہوں کے نام معنون ہیں، کیونکہ ان کی فرمائش پر وہ کتابیں لکھی گئی تھیں۔ ان کی آخری تصنیف ان کی تفسیر ہے، جو مصر سے آٹھ ضخیم جلدوں میں بار بار چھپ کر لوگوں تک پہنچی ہے۔

علوم کے متعلق ان کا نظریہ جیسا کہ تفسیر (جلد ۴ ص ۱۳۴) اور دوسرے بعض رسائل میں ذکر کیا ہے یہ تھا کہ "علوم نظری ہیں یا عملی۔ نظری علوم میں سب سے اشرف اور کامل ترین اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، افعال، اسماء و احکام کی معرفت ہے۔ اور یہ علوم بھی اس کتاب (قرآن پاک) سے زیادہ اکمل و اشرف کہیں نہیں ملتے۔ علوم عملی سے مقصود یا تو اعمال جوارح ہیں یا اعمال قلوب۔ اوّل کا نام اخلاق کی پاکیزگی و

طہارت ہے اور دوسرے کا نام تزکیۂ نفس۔ ان دونوں علوم کو بھی اس کتاب سے بہتر طور پر کسی دوسری جگہ نہیں پا سکتے۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاری ہے کہ جو اس کتاب سے بحث کرتا ہے اور اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اس کو دنیا کی عزت اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔"

کتاب النفس والروح :-

اس مضمون کا اصل مقصد امام فخر الدین رازی کی تصنیف "کتاب النفس والروح" کا تعارف ہے۔ آکسفورڈ کے زمانۂ قیام میں (اکتوبر ۱۹۵۰ء تا اگست ۱۹۵۲ء) بوڈلین لائبریری کے بعض نوادرات کے دیکھنے کا موقعہ میسّر ہوا، ان نوادرات میں امام رازی کی کتاب النفس والروح نظر آئی یہ عربی مخطوطہ نمبر ہنٹ ۵۳۴ (Ar. MS. NO HUNT 534)۔ شیخ الرئیس ابن سینا کی کتاب النجاۃ کے نسخہ کے ساتھ مجلد ہے۔ کتاب النجاۃ کا یہ نسخہ نہایت صاف خوش خط اور بے حد قدیم ہے۔ اس کی کتابت کی تاریخ ۴۶۶ھ درج ہے۔ امام رازی کی کتاب کا خط جداگانہ ہے اور آٹھویں نویں صدی ہجری کا خط معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتاب اوراق "۲۵۷ الف۔ ۲۹۵ ب" پر مشتمل ہے۔ اس حصّہ میں کہیں تاریخ کتابت درج نہیں، روشنائی پھیکی ہے اور یہ حصّہ کرم خوردہ بھی ہے، کاتب نے کتابت کے بعد اپنے نسخے کی صحت کے لئے مقابلہ کیا ہے اور چھوٹے ہوئے الفاظ کو جا بجا حواشی میں درج کیا ہے۔ اوّلین صفحہ (۲۵۷ الف) پر جلی حروف میں "کتاب النفس والروح وشرح قواھما" لکھا ہوا ہے۔ پھر کچھ فاصلے پر وسط میں چند سطروں میں باریک حروف میں محتویات کی فہرست درج ہے۔

چونکہ راقم الحروف ان دنوں ابن باجّہ کی کتاب النفس کی تحقیق میں مصروف تھا اور علامہ ابن القیم کی کتاب الروح نیز ابن رشد کی کتاب النفس وغیرہ کی ورق گردانی مکرر سہ کرر رہا تھا، اس لئے فطری طور پر اس کتاب کے مطالعہ کا شوق ہوا، البتہ چند اوراق کے مطالعے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ اس کتاب سے مجھ کو فوری طور پر ابن باجّہ کی کتاب النفس کی تحقیق میں مدد نہیں مل سکتی، اس لئے اس وقت اس کے مطالعے سے تو درگزرا۔ البتہ امام رازی کی نسبت سے اس کی اہمیت دماغ میں جاگزین رہی۔

حسن اتفاق کہیئے یا سوء اتفاق کہ ابن باجّہ کی کتاب النفس کی تحقیق میں نے اس امید پر شروع کی تھی کہ برلین کا نسخہ جس کو اہلورٹ نے (NO. 5060 : AHLWARDT) اپنی فہرست میں ذکر کیا ہے اور جس کو ہمارے پیشرو پروفیسر آسین پلاسیوز (ASIN PALACIOS) نے ابن باجّہ کے

بعض رسائل (رسالۃ النبات۔ رسالۃ الوداع اور رسالۃ الاتصال) کے نشر کرنے میں استعمال کیا تھا، مجھ کو بھی مل جائے گا۔ اور اس طرح کام آسان ہو جائے گا، مگر آخری جنگ عظیم کے دوران اس لائبریری کی بہت سی کتابیں مختلف جگہوں میں بغرض حفاظت منتقل کر دی گئیں اور ان کے ساتھ اس کا نسخہ بھی کہیں بھیج دیا گیا اور باوجود کوششوں کے اس کا پتہ نہیں چلا۔ اس زمانے میں کام کی دشواری کے خیال سے بہی خواہ پروفیسروں کا خیال ہوا کہ اپنی تحقیق کے لئے کسی دوسری کتاب کا انتخاب کروں، اس وقت امام رازی ہی کی کتاب النفس والروح کو ذہن میں رکھا تھا، پھر ہمت کے ساتھ جب دشواریوں کے حل کے طریقے منکشف ہو گئے تو اس کی نوبت نہ آئی کہ دوسری کتاب منتخب کرتا۔

اسی اثناء میں استاذی مرحوم مولوی عبدالسبحان ایم اے (علیگ) بی، لیٹ (آکسفورڈ) (لیکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی) نے خواہش ظاہر کی کہ کوئی اچھی نادر کتاب ہوتی اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کرتا تو خوب ہوتا، چونکہ علم کلام ان کا مضمون تھا اس مخطوطہ کا فوٹو ان کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا گیا البتہ تصویر صاف نہ آنے کی وجہ سے انگلستان سے مراجعت کے چند سالوں بعد انھوں نے مجھے دیا کہ نقل کر کے پیش کروں۔ ۱۹۵۸ء میں حرکت قلب بند ہو جانے سے ان کا انتقال ہو گیا اور یہ مخطوطہ جوں کا توں پڑا رہا۔

۱۹۶۳ء کے اواخر میں مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی میں تقرری کے بعد منجملہ دوسرے کاموں کے اس کتاب کی تحقیق و ترجمہ کا خیال ہوا۔ بحمداللہ ۱۹۶۵ء میں اس کا ترجمہ اور ایڈیشن اختتام کو پہنچا۔ عربی حصہ طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے البتہ انگریزی حصہ معہ مقدمہ حواشی پریس میں ہے اور معتد بہ حصہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے اہتمام سے چھپ چکا ہے جو بہت جلد، انشاء اللہ نشر و اشاعت کی منزل سے درگزرے گا۔[1]

اس مخطوطہ کے نظر آنے پر امام رازی کی تصانیف کی فہرستوں میں تلاش کے بعد حاجی خلیفہ کی ذیل کی عبارت نظر آئی: "وصنف الامام فخر الدین محمد بن عمر الرازی کتابا فی النفس والروح لخصہ محمد العلائی ورتب علی اقسام"۔

"نفس و روح کے موضوع پر امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے ایک کتاب لکھی، جس کی تلخیص محمد علائی نے کی اور اس کو چند قسموں میں مرتب کیا"۔

دوسرے مؤرخین نے ان کے مؤلفات میں "کتاب الاخلاق اور کتاب النفس" کا ذکر کیا ہے۔ موجودہ فہرستوں میں کتاب الاخلاق کا کھوج نہیں ملتا۔

---

[1] اردو ترجمہ کی اشاعت ادارہ معارف ملی کے پیش نظر ہے۔

معہد المخطوطات جامعۃ الدول العربیہ، قاہرہ میں امام رازی کی طرف دو رسالے کتاب النفس کے نام سے منسوب ملے، ایک کا وجود واٹیکان (روم) میں دوسرے کا وجود دار الکتب المصریہ میں بتایا گیا ہے، دار الکتب المصریہ کے رسالے کا اعتبار اس وجہ سے نہ آیا کہ وہ صرف دس اوراق میں ہے، جب اس کا فوٹو آیا تو ظاہر ہوا کہ وہ کتاب النفس للارسطو پر ابن سینا کے حواشی و تعلیقات تھے جن کو عبد الرحمٰن بدوی نے "ارسطو عند العرب" میں شائع کر دیا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاس غلط مائکرو فلم آگیا ہے۔

(معہد المخطوطات لفؤاد سید ص ۲۱۸ نمبر ۱۸۱ مخطوط البلدیہ ۳۲۳۶ - ۱۰ ق)

واٹیکان کا رسالہ بھی ہمارے پیش نظر ہے اور یہ امام رازی کے بہت بعد کی تالیف ہے، ذیل کی عبارت خود شاہد ہے کہ یہ رسالہ امام رازی کے قلم سے نہیں ہو سکتا۔

(الورقۃ ۳ و) "۔۔۔۔ الثانی انہ (الروح) جوہر لطیف نورانی مدرک الجزئیات و الکلیات حاصل فی البدن متصرف فیہ غنی عن الاغتذاء بریٔ عن التحلل والنماء وھذا اختیار فخر الدین الرازی وشمس الدین السمرقندی من العلماء المتاخرین "

عبارت بالا میں "فخر الدین رازی اور شمس الدین سمرقندی کا پسندیدہ" کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کتاب کی تالیف ان دونوں حضرات کے عہد کے بعد ہوئی۔ اس کتاب میں کُل اٹھارہ اوراق ہیں اولین ورق کے دوسرے صفحے پر کتاب کا نام اس طرح مرقوم ہے :-

"فیہ رسالۃ فی الروح والنفس" (اس میں روح ونفس کے بارے میں ایک رسالہ ہے) مصنف کا نام کہیں مذکور نہیں اولین ورق کے دوسرے صفحے میں کتاب کی ابتدائی سطریں صاف بتاتی ہیں کہ مصنف اہل السنت والجماعت سے تعلق رکھتا ہے اور متکلمانہ ذوق رکھتا ہے اور تعصب سے آزاد ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین۔

" الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ من الانصار والمهاجرین اما بعد فھذہ رسالۃ مشتملۃ علی فوائد جلیلۃ من بیان ماھیۃ الروح والحیوٰۃ و النفس والعقل واقسامها وتوابعها وھی مرتبۃ علی فصلین وستۃ عشر بحثا واللہ الموفق للصواب، الفصل الاول فی الروح فیہ عشرۃ ابحاث" الخ۔

ظاہر ہے کہ یہ کتاب بھی مختلف ہے اور اس کی نسبت امام رازی کی طرف صحیح نہیں۔ اس کا ذکر مشہور

اٹالین مستشرق لیوی دلّا وِیدہ (LEVI DELLA VIDA) نے خزانۂ واتیکان کے مخطوطات کی فہرست میں کیا ہے جس کا نمبر ۲۹۹ (VAT ARABO 299) اور اوراق "۱۰۸-۱۲۴ ط" پر مشتمل ہے۔

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ بروکلمان نے امام کا ذکر کیا ہے۔ مگر وہ اس کتاب کا ذکر کہیں نہیں کرتا، ان کے دو رسالوں کا جو نفس سے متعلق ہیں، حوالہ دیتا ہے۔ ایک "رسالہ فی النفس" اسکندریہ کے کتب خانے میں ہے، جس کا نمبر الفنون ۵۵ ا ہے اور مجموعہ میں پانچواں رسالہ ہے۔ دوسرا "رسالہ فی النفس و تحقیق زیارۃ القبور" استانبول میں الفاتح کے کتب خانے میں نمبر ۵۴۲۶ ہے اور مجموعہ میں چوتھا رسالہ ہے مگر یہ دونوں رسالے حجم کے لحاظ سے، ظاہر ہے کہ مختلف ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(C. BROCKELMANN: GESCHICHTE DER ARABISCHEN LITTERATÜR, I. P. 507, S. I. P. 923.)

امام رازی کی کتاب النفس والروح کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی نسبت امام صاحب کی طرف بالکل صحیح ہے کتاب کی شرح میں کچھ مترادف عبارتیں تفسیر اور دوسری کتابوں سے نقل کر دی گئی ہیں جن سے ان کی تصنیف ہونے میں کوئی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

البتہ اس کتاب کے ابتدائی جملوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب درحقیقت علم الاخلاق سے بحث کرتی ہے یوں تو نفس و روح کی بحثیں آجاتی ہیں مگر خود ان کے الفاظ یہ ہیں:- "أما بعد فهذا الكتاب في علم الاخلاق، مرتب على المنهج البرهاني اليقيني لا على الطريق الخطابي الاقناعي، نسأل الله ان يجعله سببا للنفع العظيم في الدارين والسعادة في المنزلين۔"

اس عبارت سے عیاں ہے کہ اس کتاب کو کتاب الاخلاق کہنا زیادہ موزوں ہے۔

اس کتاب کے مضامین دو حصوں میں منقسم ہیں: قسم اوّل میں علم الاخلاق کے اصول کلیہ سے بحث کی گئی ہے اور اس میں بارہ فصلیں ہیں۔

پہلی دو فصلوں میں مراتبِ موجودات میں انسان کے مرتبے سے بحث کی گئی ہے، تیسری فصل میں الروح البشری کے مراتب بیان کئے گئے ہیں، چوتھی فصل میں جوہرِ نفس کی ماہیت سے بحث ہے۔ پانچویں فصل میں کتاب الٰہی کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نفس غیر جسد ہے۔ چھٹی فصل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جوہرِ نفس کا تعلق قلب سے ہے اور پھر جالینوس اور اصحاب ارسطو کے اس نظریئے سے بحث ہے

کہ اعصاب کا منبت کیا ہے؟ جالینوس کا نظریہ ہے کہ اعصاب کا منبت دماغ ہے، اور ارسطاطالیسی حکماء کا کہنا یہ ہے کہ اعصاب کا منبت قلب ہے دماغ نہیں۔ جانبین کی دلیلوں کی وضاحت کی گئی ہے، جن کی تفصیل اس شرح و بسط کے ساتھ دوسری متعلقہ کتابوں میں نظر سے نہیں گزری۔

ساتویں فصل میں قوائے نفس کی تشریح ہے، آٹھویں میں الفاظ نفس، عقل، روح اور قلب کی تشریح ہے۔ نویں فصل میں قوائے نفس کو جو نسبت جوہرِ نفس کے ساتھ ہے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

دسویں فصل میں نفس ناطقہ، گیارھویں میں لذاتِ عقلیہ، اور بارھویں میں لذاتِ حسیہ کے نقائص بیان کئے گئے ہیں۔

دوسری قسم میں خواہش نفسانی (شہوت) کے متعلقات کے علاج سے بحث کی گئی ہے۔ یہ چند فصلوں پر مشتمل ہے جن کے مضامین حبِ مال، اکتسابِ سعادتِ روحانیہ بتوسط المال، حرص و بخل، علاجِ بخل، حقیقتِ بخل وجود، جاہ، علاجِ حبّ جاہ، ریا، علاجِ ریا اور طاعات پر مشتمل ہیں۔

اگرچہ کائنات کی تقسیم امام رازی نے فلاسفۂ اسلام کے طریقے پر کی ہے مگر اخلاقی نظریوں کی تشریح میں اسلامی تعلیمات کا عنصر غالب ہے۔ یہ ایک پکّے مسلمان کی طرح قرآن پاک واحادیث نبویہ سے اپنے نتائج اخذ کرتے ہیں۔

اخلاقی مسائل کی تشریح و توضیح میں علاوہ دوسرے یونانی اور مسلمان مصنفین کی کتابوں کے انھوں نے خاص طور پر امام غزالی کی احیاء علوم دین سے استفادہ کیا ہے۔

یہ حقیقت ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے یونانی، ہندوستانی اور ایرانی علوم کا مطالعہ کیا اور ہمیشہ اس بات کے کوشاں رہے کہ ان علوم میں اپنے اساتذہ سے گوئے سبقت لے جائیں۔ یونانی علوم میں ان کا درک فی الحقیقت بہت وسیع تھا اور سچ پوچھئے تو ان کے کارنامے انہیں علوم میں سب سے زیادہ رہے ہیں۔ اگر ہم رسائل اخوان الصفا، یعقوب الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد اور مشرق و مغرب میں ان کے متبعین کی تصنیفات کا ناقدانہ مطالعہ کریں تو اس دعویٰ کی شہادت مل جاتی ہے کہ مسلمانوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ ان اجنبی علوم کو اپنے اسلامی سانچے میں ڈھال دیا۔ انھوں نے محض ان کے علمی اور فلسفیانہ اصلاحات و عبارات ہی سے کام نہیں لیا، بلکہ اپنے اسلامی افکار و خیالات کے اظہار کے لئے انھوں نے ان کے دقیق و نامانوس اصطلاحات کو اسلامی اصطلاحات و عبارات کے

سانچے میں منتقل کر لیا۔

چونکہ امام رازی کو اپنے زمانے کے مختلف الخیال اور مختلف المذاہب لوگوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس لئے انھوں نے معتزلہ، باطنیہ کرّامیہ اور حنابلہ کے بعض نظریات کا رد بڑی سختی سے بیان کیا ہے۔ ان کے زورِ بیان، قوتِ خطابت اور دلچسپ منطقی پیرایۂ بیان سے بہت سے لوگ تائب ہو کر اہل السنت والجماعت میں آکر شامل ہو گئے اور اپنی تحریروں نیز تقریروں سے عالم اسلام میں تہلکہ مچا دیا۔ ان کی کتابیں ان کے حینِ حیات مقبول عام ہوئیں اور غزنی، خوارزم شاہ، رے، دمشق نیز دوسرے مشہور شہروں کے مدارس میں داخل نصاب ہوئیں۔

ان کی کتابیں سلاستِ بیان، زورِ دلائل، معقول و منقول براہین کی وجہ سے متقدمین اور خصوصاً امام غزالی کی کتابوں کے مقابلے میں زیادہ پسند کی جانے لگیں۔ ان میں اسلامی اور یونانی علوم کی تشریح و وضاحت بوجوہ احسن بیان ہوئی ہیں اور یہ مذہبی علوم کی بہترین وضاحت پر مشتمل ہیں، دوسرے الفاظ میں یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ امام غزالی نے مذہبی علوم کی عقلی تشریح و وضاحت شروع کی، اور یہ کام امام رازی کے طویل کارناموں میں تکمیل کو پہنچا۔ اس کام میں ابن سینا کی طویل و مختصر کتابوں نے بڑی حد تک امام رازی کا ہاتھ بٹایا، اگرچہ ان پر امام راغب اصفہانی ابو البرکات بغدادی اور دوسرے معاصر مفکرین کی تالیفات کا اثر بھی ظاہر ہے۔

بہر کیف اپنی کتابوں اور تالیفات میں امام رازی کا نقد و تبصرہ نمایاں ہے، یہ فلاسفہ کے آراء و براہین کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہیں، اور خاص کر ابن سینا کے مؤلفات پر جو اس زمانے میں اہل علم حضرات میں عام طور سے متداول تھے، ان کی نگاہ بڑی تیز ہے۔ ابن سینا کے آراء کی تنقید نے خاص طور پر شیعہ مفکرین کے احساسات کو مہمیز لگائی، چنانچہ نصیر الدین طوسی اور صدر الدین شیرازی کی تالیفات شاہد ہیں کہ یہ امام رازی کو کبھی معاف نہیں کرتے۔

نوٹ

لہ ان کے حالات کے لئے دیکھئے: ابن الساعی: عنوان التاریخ جلد ۸ ص ۳۰۷، الیافعی: مرآۃ الجنان ج ۴ ص ۷، ابن العماد: شذرات الذھب ج ۵ ص ۲۱، السبکی: طبقات

الشافعية الکبری ج ۵، ص ۳۵ - ابوشامه المقدسی: تراجم رجال القرنین السادس والسابع :
قاهره ۱۹۳۷ء ص ۶۸ - ابن العبری: تاریخ مختصر الدول - بیروت ۱۹۵۸ء، صفحات ۲۴۰ و
۲۴۵ - ذهبی: میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۲۲ - ابن خلکان: وفیات ج ۱ ص ۴۷۴ - ابن
ابی اصیبعه: طبقات الاطباء ج ۲ ص ۲۵ - ابن حجر: لسان المیزان ج ۴ ص ۴۲۷ - طاش کبری
زاده: مفتاح السعادة ج ۱ ص ۱۵۰ - حاجی خلیفه: کشف الظنون ج ۲ ص ۳۹۳ - خیرالدین
الزرکلی: الاعلام: ج ۷ ص ۲۰۳ - خواند میر: حبیب السیر حیدری ایران ۱۳۳۳ش، ج ۲
ص ۳۳۱، بروکلمان (C. BROCKELMANN) تاریخ الادب العربی ج ۱ ص ۶۶۶، ضمیمہ ج ۱
ص ۹۲۰ (GESCHIHTEDES ARABISCHEN LITTERATURE, 1,666, S.I.P. 920)
سارٹن (SARTON): مقدمہ تاریخ سائنس (INTRODUCTION TO THE HISTORY OF SCIENCE)
ایچ اے آر گب (H.A.R. GIBB): (SHORT INCYCLOPAEDIA OF ISLAM, PP. 470 - 71
ص ۷۱-۴۷۰، مقالہ پال کراؤس (PAUL KRAUS): THE CONTROVERSIES, OF FAKHR-AL-DIN RAZI
اسلامک کلچر، حیدرآباد، اپریل ۱۹۳۸ء ص ۱۳۱-۱۵۳: عبدالسلام ندوی: امام رازی ۱۹۵۰ء، اعظم گڑھ

۲. القفطی: تاریخ الحکماء، لیبیک، تحقیق جولئیس لیپرٹ (JULIUS LIPPERT) ص ۲۹۱ -

۳. وفیات الاعیان: تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، النهضة المصریه، القاهرة ۱۹۴۸ء ج ۳ ص ۳۸۲

۴. وفیات الاعیان نفس مصدر۔

۵. تراجم رجال القرنین، تصحیح زاهد الکوثری قاهره ۱۹۳۷ء، ص ۶۸ - وسبط ابن الجوزی:
مراة الزمان، حیدرآباد، ج ۸ ص ۵۴۲ -

۶. الرازی: کتاب النفس والروح

۷. مجموعة الرسائل الکبری، المطبعة العامرة الشرقیة بمصر ۱۳۲۳، ج ۱ ص ۱۰۹:
کما قال الرازی مع انه من اعظم الناس طعنا فی الادلة السمعیة حتی ابتدع قولا
ما عرف به قائل مشهور غیره وهو انها لا تفید الیقین ومع هذا فانه یقول: لقد
تأملت الطرق الکلامیة والمناهج الفلسفیة فما رأیتها تشفی علیلا ولا تروی
غلیلا، ووجدت اقرب الطرق طریقة القرآن، اقرأ فی الاثبات الیه یصعد

الکلم الطیب الرحمٰن علی العرش استوی، واقرأ فی النفی لیس کمثلہ شئ ولا یحیطون بہ علما،
قال ومن جرب مثل تجربتی عرف مثل معرفتی۔

۸ صلاح الدین الصفدی: الوافی بالوفیات ج ۴ ص ۲۵۴۔

۹ ابن الساعی: الجامع المختصر فی عنوان التواریخ وعیون السیر، تحقیق مصطفی جواد، بغداد ۱۹۳۴ء ج ۹، ص ۳۰۷، وابن الاثیر، تاریخ الکامل، الکبری العامرۃ مصر، ۱۲۹۵ھ ج ۱۲، ص ۸۹

۱۰ کتاب النفس والروح کے نام سے متعدد تصنیفات متقدمین ومتاخرین کے یہاں ملتی ہیں محدثین نے نفس اور روح کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ دونوں الفاظ قرآن حکیم میں خود اللہ جل شانہ کی اضافت کے ساتھ واقع ہوئے ہیں: "ویحذرکم اللہ نفسہ، فنفخت فیہ من روحی" اپنی کتاب الروح میں علامہ ابن قیم الجوزیہ نے مشہور محدث ابو عبداللہ بن مندہ الحافظ کی کتاب النفس والروح کا ذکر کیا ہے (دائرۃ المعارف العثمانیہ، طبعہ ثالثہ، ۱۳۵۷ھ ص ۳۶) خود علامہ ابن القیم نے فخریہ اپنی کتاب معرفۃ الروح والنفس کا ذکر کیا ہے۔ (نفس المصدر ص ۴۶: قد ذکرناھا فی کتابنا الکبیر فی معرفۃ الروح والنفس)

۱۱ دیکھئے: شرح الاشارات، شرح عیون الحکمۃ اور اسفار اربعۃ۔